تصدیق
جلد ۰۲ شمارہ ۰۵، ۲۰۲۳

Article

Urdu Critical Biography and Shakhsiat Abad

اُردو تذکرہ نویسی اور شخصیت آباد

Dr.Majid Mushtaq*[1], Muhammad Zohaib[2], Muhmmad Nauman[3]
[1] Assistant Professor Urdu, Government College University, Faisalabad
[2,3] M.Phil Scholar Urdu, Government College University, Faisalabad
*Correspondence: majidmushtaqrai@gmail.com

[1] ڈاکٹر مجید مشتاق، [2] محمد زوہیب، [3] محمد نعمان

[1] اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد، [2,3] ایم فل اسکالر، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

ABSTRACT: History of Urdu Literature has a great sense of criticism, Urdu “Tazkara” (critical biography) is an important chapter of it, “Tazkara" (critical biography) having a tradition of three to four centuries, made a great contribution to the literature field of Urdu criticism based on it as there “Tazkara” (critical biography) is the first stone in this aspect. Famous poets like Meer Taqi Meer and Nawab Mustafa Khan Sheifta also contributed to this aspect. In the current era ‘Shakhsiat Abad’ is one of the important Tazkara. In this article brief history and importance of this Tazkara is discussed. Through this article, people will know more about it, and it will be beneficial in the future for the students of Urdu literature.

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
DOI:https://doi.org/10.56276/f9k3rs30
Received:03-12-2023
Accepted:21-12-2023
Online:28-12-2023

Copyright: © 2023 by the authors.

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

KEYWORDS: Meer Taqi Meer, Dr Syed Abdullah, Tazkara, Sources, Criticism, Ashraf Ashari, Urdu History

تنقید ادب میں معیار بندی اور محاسن و معائب کی تلاش کا نام ہے۔ تخلیق اور تنقید کے درمیان ایک لازوال تعلق ہے۔ تخلیق کے حُسن وخوبی اور ان میں موجود سقم تنقید سے ہی سامنے آسکتے ہیں۔ اُردو میں تنقید کا باقاعدہ آغاز انیسویں صدی میں نظر آتا ہے۔ تنقید کیاہے ؟اس حوالے سے آل احمد سرور لکھتے ہیں:

"اچھی تنقید کسی طرح اچھی تخلیق سے کم نہیں، تنقید، قدریں متعین کرتی ہے اور ادب اور زندگی کو ایک نمونہ دیتی ہے۔"(۱)

اُردو میں تنقید کا آغاز تذکروں سے نظر آتا ہے۔ اسے تنقید کا نقشِ اوّل بھی کہا جاتا ہے۔ تذکرہ نویسی کے حوالہ سے متضاد آراء پائی جاتی ہیں۔ اکثر ناقدین کے ہاں تذکروں کو نقشِ اوّل کے طور پر دیکھتے ہوئے تنقید کے بنیادی معیارات کو ان ہی پر تعبیر کیا ہے۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے اسے فارسی تذکروں کی نقل قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"اُردو تذکرہ نویسی اپنی ابتدائی منزلوں میں فارسی تذکرہ نویسی کی نقل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اُردو شعرا کے تذکرے مرتب ہونے شروع ہوئے تو ان میں نہ صرف عام اُصولِ تصنیف کے لحاظ سے فارسی تذکروں کی تقلید کی گئی بلکہ ان تذکروں کی زبان بھی فارسی ہی رہی۔"(۲)

سید وقار رضوی تذکرہ نویسی کے حوالے سے انہیں تنقید سے تاریخ کا خام مال قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"تذکروں کو اُردو میں تاریخ کا خام مواد کہا جا سکتا ہے جو کسی بھی زبان وادب کی تاریخ مرتب کرنے میں خِشتِ اوّل کا درجہ رکھتی ہے۔"(۳)

ان آراء کی روشنی میں تذکرہ اور تذکرہ نویسی کو باقاعدہ تنقید کہنا شاید آسان نہ ہو مگر اس اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان تذکروں نے ہی تنقید کی بنیاد رکھی۔ بعض ناقدین نے تو ان کی اہمیت کو یکسر نظر انداز کیا۔ کلکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر محمد عبد القیوم حسرت نعمانی اس بارے میں لکھتے ہیں:

"قدیم اُردو تذکرے کوئی تنقیدی اہمیت نہیں رکھتے مگر اسے کیا کیا جائے کہ پُرانے زمانے میں انہیں چیزوں کی قدر کی جاتی تھی اور خود مغرب میں پوپ ڈزرائلی ڈیکر اور ابتدائی دور میں گوئٹے نے بھی تنقید کا مذاق اُڑایا ہے۔"(۴)

تذکروں کے حوالے سے اس رائے کی اہمیت سی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُردو میں تنقید کا کوئی واضح نقش نہیں تھا اور شعرا کی بیاضیں اور تذکرے ہی اس کی اوّلین شکل ہیں۔ کلیم الدین احمد نے اس بارے میں یوں لکھا ہے:

"پرانے تذکرے حقیقت میں شعرا کی بیاضیں ہیں۔ تذکرہ نویس تنقید سے نابلد تھے۔"(۵)

اس رائے کو معیار اس لیے بھی نہیں مانا جا سکتا کہ کلیم الدین احمد تنقید کے حوالے سے مغرب سے زیادہ متاثر اور مشرق پر کڑی تنقید کرتے ہیں اس حوالے سے ان کی متعصبانہ نظر کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر سید وقار رضوی نے تذکروں پر تفصیلی بحث کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے:

"ان تذکروں میں تنقید بھی ہے اور شاعری کی تاریخ بھی جو قرونِ وسطیٰ کے رواج کے مطابق ہے۔ اس زمانے میں جو چیز کتابی شکل میں آجاتی تھی وہ ادب ہی کہلاتی تھی۔ شاعروں کے کلام پر آراء ہوتی تھی۔ بعض تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کلام کی خوبی اور صحت و سقم کیا ہے مثلاً بسیار گوئی سقم ہے۔ رطب و یابس جمع کرنا بھی نقص ہے لیکن خوش گوئی اور شیریں کلامی خوبی ہے۔ متانت اور سنجیدگی اشعار سے ہویدا ہے۔ یہ اور اس قسم کے تنقیدی ریمارکس تذکروں میں ملتے ہیں۔ اس لیے اُردو ادب کی تاریخ میں تذکروں کی تنقیدی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔"(۶)

مذکورہ بالا آراء کی روشنی میں تذکروں کی تنقیدی اہمیت سے انکار کسی طور پر ممکن نہیں۔

اُردو میں تذکرے کی روایت میں کلاسیکی شعرا ٔ سے منسوب تذکرے اہمیت کے حامل ہیں ان میں میر تقی میر کا ''نکات الشعراء''، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کا تذکرہ ''گلشنِ بے خار''، ''حکیم سید عبدالحیٔ کا تذکرہ ''گل رعنا''، قدرت اللہ شوق کا ''طبقات الشعراء''، مولوی عبدالکریم کا تذکرہ ''تذکرۂ شعرائے ہند'' اور قدرت اللہ قاسم کا تذکرہ ''مجموعہ نغز'' اہمیت کے حامل ہیں۔ ان تذکروں کی تعداد گو بہت زیادہ ہے مگر نقادوں نے ان تذکروں کے مراتب خود سے طے کر کے انہیں تاریخی اہمیت عطا کی ہے۔ ڈاکٹر اشرف کمال اس حوالے سے بیان کرتے ہیں:

''تذکروں میں میر تقی میر کا تذکرہ ''نکات الشعراء'' اور اس کے بعد نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کا تذکرہ ''گلشنِ بے خار'' خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ میر نے اس تذکرہ شاعری میں اپنے اور اپنے معاصرین کے شعری طریق کار پر روشنی ڈال کر اپنے تنقیدی شعور کے ادراک کا ثبوت فراہم کیا ہے۔''(۷)

تذکرہ نگاروں کی روایت سے تنقید کے لیے بنیادی سامان بہم، پہنا اور اس کے بعد حالی، شبلی، آزاد نے اردو میں تنقید کی بنیاد رکھی۔ تذکرہ نویسی کی روایت قدیم کلاسیکی عہد سے تعبیر کرنا بھی درست نہیں موجودہ عہد میں بھی تذکرہ نویسی کا سلسلہ جاری ہے۔ گو کہ اب کے تذکرے اور قدیم تذکرے مماثلت کے باوجود نئے تنقیدی پیرائے اور شعور کا مظہر ہیں مگر ان کا انداز اور روایت اسی قدیم روایت کے مطابق ہے۔ موجودہ دور میں ''دبستانوں کا دبستان''(۸) کے نام سے طویل تذکرۂ اہل ادب وعلم کراچی کے حوالے سے مرتب کیا گیا۔ اسی طرح ''تذکرہ شعرائے کشمیر''(۹) کے نام سے خطۂ کشمیر کا تذکرہ اور 'تذکرہ شعرائے لکھنؤ'(۱۰) کے عنوان سے لکھنؤ کے شعرا ٔ کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ اسی طرح سے صنفی اور ادبی اصناف کے اعتبار سے خواتین کے تذکرے اور مختلف اصنافِ ادب کے حوالے سے تذکرے بھی موجودہ ادبی منظر نامے میں اہمیت رکھتے ہیں۔

فیصل آباد کا ادبی سفر دہائیوں کو محیط ہے۔ اس شہر کے قیام کے بعد یہاں علمی و ادبی سرگرمیاں اپنے عروج پر رہیں۔ مختلف ادبی تنظیموں نے اس میں اپنا حصہ ڈالا۔ ادبی ترویج کے حوالے سے 'لائلپور کاٹن ملز کے مشاعرے' خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ جن کا تذکرہ احسان دانش نے اپنی آپ بیتی میں الگ عنوان کے تحت کیا ہے۔(۱۱) اس روایت کو مختلف تنظیموں اور شخصیات نے آگے بڑھایا۔ فیصل آباد جو پہلے لائلپور کے نام سے جانا جاتا تھا کہ نامور شعرا کے حوالے سے ''شخصیت آباد'' کے نام سے تذکرہ سامنے آیا۔ شخصیت آباد فیصل آباد کے مرحوم اُردو شعرا ٔ کا تذکرہ ہے۔ اس کارنامے کا سہرا فیصل آباد کے معروف مؤرخ، نقاد، شاعر اور نثر نگار 'اشرف اشعری' کے سر ہے۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی سے بطور شاعر مشاعروں میں شرکت اور شعری مجموعوں کی اشاعت سے اپنی پہچان بنائی اور بعد ازاں دیگر اصناف میں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ ناصر بشیر نے ان کے بارے میں رائے دی جو روزنامہ عوام میں شائع ہوئی۔ لکھتے ہیں:

''اشرف اشعری فیصل آباد کے نوجوان شاعر ہیں۔ ان کے اندر آگے سفر جاری رکھنے کی شدید خواہش موجود ہے۔ وہ سیماب صفت اور ہر دم بے چین رہنے والے شاعر ہیں جو ہر وقت کچھ نہ کچھ

کرتے رہنا چاہتے ہیں۔ اگر انہیں مزید راہنمائی مل جائے تو منزل تک پہنچنا ان کے لیے مشکل نہ
رہے۔"(۱۲)

اشرف اشعری کا یہ سفر جاری رہا بلکہ اس سفر نے نئی جہات اختیار کیں ان کے چھ شعری مجموعے، دو تذکرے، لغت اور فیصل آباد کی ضخیم تاریخ منظرِ عام پر آچکی ہے۔ انہیں اسی تاریخ نے نئی شہرت اور نیا تعارف عطا کیا۔ اشرف اشعری کے دو تذکرے "انملے ہیرے"، (پنجابی شعرائے فیصل آباد) اور "شخصیت آباد" (فیصل آباد کے مرحوم شعرا کا تذکرہ) منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ ثانی الذکر کتاب دو دفعہ طباعت کے مراحل سے گزر چکی ہے۔ اشرف اشعری کا یہ کارنامہ تذکرہ نویسی کی روایت کا اہم باب ہے۔ علاقائی سطح پر شعرائے کرام کی تحدید اور معلومات کی فراہمی موجودہ دور کے منظر نامے میں تحقیقی ماخذ کے طور پر اہمیت اختیار کر چکی ہے۔ 'شخصیت آباد' نام بھی انفرادیت کا حامل ہے اور اس عنوان سے تذکرہ کا گمان نہیں ہوتا۔ مصنف نے شخصیات اور شہر کی مناسبت سے آباد کا اضافہ کر کے خوبصورت ترکیب اختیار کی ہے۔ اس تذکرے کے امتیازی خصائص ہر نظر دوڑائی جائے تو اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔

اوّل یہ کہ اشرف اشعری نے اسے ترتیب دیتے ہوئے کسی زمانی حد کا تعین نہیں کیا بلکہ فیصل آباد کی سو اصدی کی تاریخ کو ملحوظ رکھ کر تمام ممکنہ مآخذ تک رسائی کی اور ان کو ایمانداری سے متن میں جگہ دی ہے۔ اس حوالے سے تقسیمِ ہند سے پہلے کے شعرا کے حالات اور ان کے کلام تک رسائی ان کی محنتِ شاقہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

دوم تقسیم سے پہلے کے شعرا کنور مہندر سنگھ بیدی، مرلی دھر شاد، لالہ شنکر لال شنکر اور نقش لائلپوری جیسے کئی ناموں کو از سرِ نو زندہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اوّل الذکر تو اپنی شاعری اور شاعروں میں شرکت سے پہچان بنانے میں کامیاب ہوئے ان کا فیصل آباد سے تعلق اور حوالہ بھی اسی تذکرے سے میسّر آتا ہے۔ مرلی دھر شاد اور شنکر لال شنکر کا تعلق معروف تجارتی گھرانے سے تھا 'لائلپور کاٹن ملز' کے مشاعروں سے ان کا تعلق و اہتمام انہیں ممتاز کرتا ہے مگر بطور شاعر ان دونوں کا تعارف بھی انہی کا خاصا ہے۔ آخر الذکر کی نسبت فلم انڈسٹری سے رہی اور ہندوستانی سینما کا بڑا نام ہونے کے باوجود ان کے حالات اور کلام سے مکمل شناسائی کا فریضہ بھی اسی تذکرے کا خاصا ہے۔

سوم۔ ان شعرا جن سے اشرف اشعری کا براہِ راست تعلق رہا۔ یہ تعلق نیاز مندی سے دوستی کو محیط ہے۔ ان کے سواد خط کی تحریر کردہ کوائف نامہ ان کی ذاتی لائبریری میں محفوظ ہے اور اس بنیادی ماخذ کی موجودگی میں کسی دوسرے ماخذ کی اہمیت پھیکی پڑتی معلوم ہوتی ہے۔

چہارم۔ اس کتاب کی ترتیب و تزئین میں جہاں انہوں نے اپنی ذاتی تنقید کو شامل رکھا۔ ان شعرا کے حوالے سے نمایاں تحریروں کو بھی جگہ دی جس سے ان شعرا کے کلام کے محاسن و معائب تک رسائی ممکن ہو پائی یہ بات اس لیے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ

آج کے دور میں ان آراء سے استفادہ کے بعد اُردو ادب کا طالب علم اپنے لیے سمت کا تعین کر کے منزلِ مقصود کی طرف گامزن ہو سکتا ہے۔

پنجم۔ کتاب کے آخر میں مآخذ و مراجع کا بھی اہتمام کیا گیا ہے جس سے ان کی تحقیقی بصارت اور تنقیدی بصیرت کے ساتھ ایماندارانہ روش کا بھی پتہ چلتا ہے۔ وہ کسی بھی حوالہ کو نظر انداز کرنے کے حامی نہیں۔ اس کا اظہار ان کے اس تحقیقی و تنقیدی کام سے کیا جا سکتا ہے۔

ششم۔ ان کے مآخذ میں صرف مطبوعہ کتب ہی نہیں بلکہ اخبارات و رسائل اور ذاتی مخطوطات بھی شامل ہیں۔ جس کے لیے شبانہ روز محنت اور لگن کار فرما نظر آتی ہے۔

ہفتم۔ اس کتاب سے مضافات سے متعلق شعراء تک بھی رسائی کی گئی ہے اور اس حوالے سے کسی قسم کی سہل پسندی کا عنصر کار فرما نظر نہیں آتا۔

مجموعی طور پر ان خصائص سے اس تذکرہ کی افادیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ تحقیقی معیارات کی روشنی میں قیاس یا ذاتی وجدان بجائے ٹھوس شواہد اور حوالہ جات کو ہی درخور اعتنا سمجھا گیا ہے جس سے اس کتاب کے مندرجات کے بارے میں ابہام یا شک کی گنجائش موجود نہیں رہی۔ اس حوالے سے وہ اپنے ایک انٹرویو مطبوعہ ''یارن ٹائمز'' میں دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ کتاب ان کے مسلسل تئیس سالہ سفر کا ثمر ہے۔(۱۳)

''شخصیت آباد'' کی طبع اوّل ۲۰۱۷ء(۱۴) میں عمل میں آئی۔ اس میں کل ۵۷ شعرا کے حالاتِ زندگی اور تنقیدی مضامین کو شامل کیا گیا ہے۔ ان شعرا میں خوشی محمد ناظر، نادر جاجوی، منظر مفتی، خلیق قریشی، آس لدھیانوی، ساحر قدوائی، عدیم ہاشمی، حبیب العیشی اور دیگر شامل ہیں۔ کتاب کی ۳۴۸ صفحات ہے۔ کتاب کے آغاز میں اشرف اشعری کے دیباچہ ''ادبی انحطاط'' کے علاوہ ڈاکٹر ریاض مجید، پروفیسر ماجد مشتاق اور احمد رضا بھٹی کی آراء بھی شامل ہیں۔ کتاب کی طبع دوم ۲۰۱۹ء(۱۵) میں منظرِ عام پر آئی اور اس میں شعرا کی تعداد بڑھ کر ۹۷ ہو گئی ہے اور کتاب کی ضخامت ۳۸۰ صفحات تک پھیلی ہوئی ہے۔

> ''شخصیت آباد'' تذکرہ نویسی کے حوالے سے روایت اہم اضافہ ہے اس میں ادبی مراکز سے دور ایک صنعتی شہر فیصل آباد کے ادبی منظرنامے کے اُفق پر چمکنے والے ستاروں کو محفوظ بنایا گیا ہے۔ اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ مصنف نے ذاتی تحسین کا کوئی معمولی حوالہ بھی شامل نہیں کیا بلکہ ان کا مقصد مؤقر مصدقہ معلومات کی فراہمی ہے۔ کتاب میں ترامیم کے حوالے سے اشرف اشعری پُر عزم ہیں کہ وہ اس میں ترامیم و اضافہ کے حوالے سے ہمہ وقت مصروفِ عمل ہیں اور

عنقریب اس کی تیسری طباعت میں ان شعراء کو بھی شامل کریں گے جو اس دوران اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔"(۱۶)

"شخصیت آباد" اُردو تحقیق و تنقید کے میدان میں اشرف اشعری کا ایک اہم کام ہے جس سے تحقیق و تنقید کے لیے عازم طلبا کے لیے بنیادی مآخذ تک رسائی کے امکانات کی روشن اور سفر آسان ہوا ہے۔ اس طرح سے تحقیقی و تنقیدی کاموں کے منظرِ عام پر آنے سے جہاں ادبی تاریخ کے لیے سامان مہیا ہوتا ہے وہیں خادمینِ علم و ادب کے ناموں کو محفوظ کرنے کا فریضہ بھی سر انجام پاتا ہے۔ اس طرح کے تحقیقی و تنقیدی کارناموں کا تسلسل ادبی تاریخ کا اہم حوالہ اور منفرد باب ہے۔

حوالہ جات

۱. سرور، آل احمد سرور، تنقید کیا ہے؟ دہلی: ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۲ء، ص ۲۰
۲. عبد اللہ، سیّد، ڈاکٹر، شعرائے اُردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن، لاہور: خیابان ادب، ۱۹۶۸ء، ص:۱
۳. وقار احمد رضوی، ڈاکٹر، تاریخ نقد، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، س ن، ص:۴۳
۴. حسرت نعمانی، محمد عبد القیوم، اُردو میں تنقید کا ارتقاء، بحوالہ تنقیدی ادب مولف: سردار مسیح گل، نذر سنز، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص:۱۷۱
۵. کلیم الدین احمد، اردو تنقید ایک نظر، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۱ء، ص:۳۰۹
۶. وقار احمد رضوی، ڈاکٹر، تاریخ نقد، ص:۴۹
۷. محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، تنقید کا دائرہ، لائلپور پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۹ء، ص:۷۹
۸. احمد حسن صدیقی، دبستانوں کا دبستان، کراچی: فضلی سنز، ۲۰۰۳ء
۹. حسام الدین راشدی، سیّد، تذکرہ شعرائے کشمیر، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۳ء،
۱۰. عرفان عباسی، تذکرہ شعرائے لکھنؤ، لکھنؤ: الواعظ پریس، ۱۹۷۸ء
۱۱. احسان دانش، جہانِ دانش، لاہور: خزینہ علم وادب، ۱۹۹۸ء، ص:۵۷۱
۱۲. ناصر بشیر، شعورِ بیدار، مشمولہ: عوام، روزنامہ، فیصل آباد: ۲۵ جون ۱۹۸۹ء
۱۳. یارن ٹائمز، فیصل آباد، ۱۵/ اگست ۲۰۲۲ء
۱۴. اشرف اشعری، شخصیت آباد، فیصل آباد: مظہر پبلی کیشنز طبع اوّل، ۲۰۱۷ء

۱۵. ایضاً (طبع دوم)، ۲۰۱۹ء

۱۶. اشرف اشعری سے راقم کی گفتگو، تاریخ ۳۱/ اگست ۲۰۲۳ء، بمقام اعظم پرنٹنگ پریس چنیوٹ بازار، فیصل آباد